کامیاب اُستاذ کی صفات

بہ قلم: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر دامت برکاتہم
شیخ الحدیث ومہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

==========================

تعلیم وتدریس ایک معزز اور قابل احترام منصب ہے، جس کے لیے کچھ شرائط اور آداب ہیں، جن کا جاننا اوران کی عملی مشق کرنا ایسا ہی ضروری ہے، جیسے کسی فن کوسیکھنے کے لیے اس کی عملی مشق ضروری ہوتی ہے۔فنِ تدریس کے لیے ذوق ،فطری صلاحیت اوراس منصب کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے توجہ، محنت اور مشقت کی ضرورت ہے؛ تاکہ اسے سیکھنے والا ایک معلمِ کامل بن کر نکلے اوراس میں ایک کامیاب استاذ کی صفات اور خصائص موجود ہوں۔ جس سے اس کے تجربہ میں مزید اضافہ ہوتا رہے۔ نیز جب وہ تدریس کے میدان میں قدم رکھے تو طلباء اس سے مستفید ہوں۔ اوروہ خود بھی علمی اور روحانی لذت محسوس کرسکے۔تعلیم وتدریس ایک مقدس منصب ہے جو سیدالانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات میں سے ایک صفت اور فرائض نبوت میں سے ایک فریضہ ہے۔ارشادِ باری ہے:

”لَقَد مَنَّ اللّٰہُ عَلَی المُوٴمِنِینَ اِذْبَعَثَ فِیھِمْ رَسُولاً مِّنْ اَنفُسِھِم یَتلُوا عَلَیھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالحِکْمَةَ وَاِن کَانُوا مِنْ قَبلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ (آل عمران:۱٦٤)

”اللہ نے احسان فرمایا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کواور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی باتیں اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

”اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْنِی مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتاً، وَلٰکِنْ بَعَثَنِی مُعَلِّمًا مُیَسِّراً.“

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان تخییر المرأة لایکون طلاقاً)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے معلم بنا کر بھیجا، آپ نے فرمایا:

انما بعثت معلما. ''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے''۔

آپ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی اس میں علم اور تعلیم ہی کا ذکر تھا۔

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ(١)خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ(٢)اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ(٣)الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ(٤)عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ(٥)''. (علق)

''اے پیغمبر! آپ اپنے اس رب کا نام لے کر قرآن پڑھیے جس نے پیدا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، آپ قرآن پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، اس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

آپ ﷺ میں وہ تمام صفاتِ عالیہ موجود تھیں جو ایک معلم کامل میں مطلوب ہیں، آپ کمالِ علم، خلقِ عظیم، اُسوۂ حسنہ اور کمالِ شفقت اور رحمت جیسی صفات کے ساتھ موصوف تھے۔

اسی بنا پر جو عالم دین، قرآنِ کریم یا کسی شرعی علم کی تدریس کا کام سرانجام دے رہا ہے، وہ اِس صفت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم کی نیابت کررہا ہے، لہٰذا اسے یہ جاننا چاہیے کہ وہ ایک سعادت مند انسان ہے اور اسے یہ سعادت مندی مبارک ہو۔ ان شرعی علوم میں سے ایک علم عربی لغت بھی ہے جو قرآنِ کریم کی زبان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور شریعت اِسلامیہ کی زبان ہے۔ چوں کہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ استاذ کے اثرات شاگردوں پر پڑتے ہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے لیے معلم اور مربی بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ'' (النساء: ١١٣)

مزید فرمایا:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم.'' (القلم: ٤)

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم ایک اعلیٰ اور کامل معلم تھے، ایسا باکمال معلم نہ آپ سے پہلے کسی نے دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی نے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی اعلیٰ صفات میں کمالِ علم، عظیم حکمت، اعلیٰ اخلاق، شاگردوں کے ساتھ شفقت ورحمت، ان کی تعلیم وتربیت کے لیے نہایت عمدہ اور مفید اسالیب کا استعمال اور ان کی خبرگیری جیسی صفات اپنے کمال کی انتہا، کو پہنچے ہوئے تھے؛ اس لیے جو معلم اور استاذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بننا چاہے اور فنِ تدریس میں

کمال تک پہنچنے کا خواہش مند ہو تو اُسے چاہیے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وکمالات جو اِس میدان سے متعلق ہیں، معلوم کرے اور پھر اِن صفات میں آپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.“ (الاحزاب: ۲۱)

اب میں اختصار کے ساتھ چند ایسی صفات کا ذکر کروں گا جو ایک کامیاب استاذ اور مدرّس کے لیے ضروری ہیں اور ضمناً ان کی مثالوں کی طرف اشارہ کرتا جاؤں گا؛ کیوں کہ میرے سامنے اِس وقت دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے فضلاء ہیں اور یہ مثالیں اُن کے ذہنوں میں ابھی تروتازہ ہیں؛ اس لیے کہ وہ حال ہی میں احادیث پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں۔ وہ صفات درج ذیل ہیں:

۱- علم میں کمال:

معلم کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فن میں پوری مہارت رکھتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے بارے میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اور سکھائیں آپ کو وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔“ (النساء)

کامیاب اُستاذ کی صفت یہ ہے کہ وہ امکانی حد تک علم میں کمال رکھتا ہو، خصوصاً اُس مضمون اور فن میں جس کے پڑھانے کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے؛ کیوں کہ استاذ کو جس مضمون میں جتنی مہارت اور دسترس ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ طلباء کو فائدہ پہنچا سکے گا۔ لہٰذا متعلقہ مضمون میں کمال حاصل کرنے کے لیے استاذ کو چاہیے کہ وہ:

۱- اس مضمون کی بنیادی کتابیں ہمیشہ اپنے زیرِ مطالعہ رکھے۔

۲- جو کتاب اُسے پڑھانی ہے اسے بار بار دیکھے۔

۳- دورانِ مطالعہ اگر کسی عبارت یا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں دِقت پیش آئے تو اپنے استاذ سے مراجعت کرے۔

۴- اگر اپنا استاذ نہ ہو تو اُس مضمون کے کسی ماہر استاذ سے رجوع کرے، اس سے پوچھے، اس کے ساتھ مذاکرہ کرے اور اس میں شرم محسوس نہ کرے؛ کیوں کہ علم حاصل کرنے میں شرم نہیں۔

۲- فصاحت وبلاغت:

کامیاب معلم کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ فصیح اللسان ہو اور جو مضمون پڑھائے طلباء کو ذہن نشین

کرادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشک افصح العرب تھے اور جامع کلمات کے مالک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا ''مجھے جوامع الکلم کی صفت عطا کی گئی ہے'' یعنی آپ کے الفاظِ مبارک کم اوران کے معانی زیادہ ہوتے تھے۔ نیز آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے جو بھی اسے سنتا اسے سمجھ لیتا اور بہ وقت ضرورت ایک بات کو تین بار دہراتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ایک ایک بات آج امت کے پاس محفوظ ہے۔

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت معلمِ کامل آپ کی صفات بیان کرتے ہوئے آپ کے اندازِ گفتگو کے بارہ میں فرماتی ہیں:

''کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایسرد الکلام کسردکم، ولکن اذا تکلم تکلم بکلامٍ فصل، یحفظہ من سمعہ.'' (الفقیہ والمتفقہ للخطیب:۲/۱۲۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے؛ لیکن آپ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے جو بھی اسے سنتا وہ اسے یاد کرلیتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی گفتگو کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''انہ کان اذا تکلّم بکلمۃ عادھا ثلاثا، حتی تفھم عنہ.'' (بخاری: ۱/۱۲۹)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو (بہ وقت ضرورت) اسے تین بار دُھراتے؛ تاکہ سننے والے اسے اچھی طرح سمجھ جائیں۔

۱- لہٰذا ایک کامیاب استاذ کے لیے فصیح وبلیغ ہونا ضروری ہے، جس زبان میں وہ طلباء کو پڑھا رہا ہے، اس زبان پر اسے دسترس ہونی چاہیے؛ تاکہ وہ اپنے مافی الضمیر اور کتاب کے مضمون کو فصیح وبلیغ انداز میں طلباء کے سامنے پیش کرسکے، جس سے ایک معمولی صلاحیت رکھنے والا طالب علم بھی اسے سمجھ سکے۔

۲- دورانِ تدریس وہ زبان اِستعمال کرے جو سامنے بیٹھنے والے طلباء کی ذہنی سطح کے مطابق ہو، نہ ان کی سطح سے اتنی اونچی ہو کہ ان کی سمجھ سے بالاتر ہو اور نہ اتنی نیچی کہ استاذ عوامی سطح پر اتر آئے۔

۳- گفتگو میں ایک ربط اور ترتیب ہو، ٹھہر ٹھہر کر بولے، جلدی نہ کرے، تاکہ سننے والا اُستاذ کے ہر ہر جملہ کو سنے اور سمجھ جائے۔

۴- اگر مضمون ایسا ہو جس میں جملوں کو دُھرانے اور بار بار کہنے کی ضرورت ہے، تو انہیں

بار بار دُھرائے، خصوصاً جب عربی زبان کا مضمون ہو۔

۳-اسالیب اور اندازِ تعلیم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ تعلیم میں مختلف طریقے اور اسلوب استعمال فرماتے تھے اور سامعین کا خیال فرماتے اور ان کے عقلی معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور مختلف علمی مضامین کے اعتبار سے اسلوب بدلتے رہتے۔

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم میں وہ تمام اسالیب اختیار فرمائے جو مفید سے مفید تر ہوسکتے ہیں اور آج کے اس ترقی کے دور میں اس سے بہتر کوئی علمی ادارہ نیا اسلوب نہیں پیش کرسکا۔

لہٰذا کامیاب استاذ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ تدریس کے مختلف اسالیب اور انداز سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس فن کو کس طرح پڑھایا جاتا ہے اور خصوصاً اس فن کو جسے وہ پڑھا رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ مضمون بدلنے یا طلباء کی ذہنی سطح اور اِستعداد کے مختلف ہونے سے اسلوب کس طرح بدلا جاتا ہے۔ یہ مستقل موضوع ہے جس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جاسکتا ہے؛ یہاں اختصار کے ساتھ چند اسالیب کا ذکر کیا جاتا ہے:

الف۔ نصوص اور عبارات کا یاد کرانا: بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں جن کی نصوص اور عبارات کا یاد کرنا اور ان کے الفاظ کی حفاظت کرنا ضروری ہوتا ہے، جیسے قرآنِ کریم کی آیات اور ماثور دعائیں۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی تعلیم کا انداز یہ تھا کہ آپ منبر پر بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآنِ کریم یا ماثور دعاؤں کا ایک ایک جملہ پڑھ کر سناتے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے سن کر دُہراتے اور اُسے یاد کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

”کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلّم الناس التشھد علی المنبر کما یعلّم المکتب الصبیان“. (الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۱۲۴/۲)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو تشہد اس طرح سکھاتے تھے، جیسے استاذ مکتب والے بچوں کو سبق یاد کراتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یُعلِّمنا الاستخارۃ فی الامر کما کان یعلمنا السورۃ من القرآن“. (جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی: ۳۸۵/۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دعاءِ استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

”ان النبی ﷺ کان یعلّمهم الدعاء کما یعلّمهم السورة من القرآن، یقول: قولوا: اللهم انی اعوذبك من عذاب جهنم، واعوذبك من عذاب القبر، واعوذبك من فتنة المسیح الدجّال، واعوذبك من فتنة المحیا والممات.“ (مسنداحمدبن حنبل: ۲۷/۴)

یعنی نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح ان کو قرآن کریم کی سورۃ سکھاتے تھے۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے: کہو: اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، میں قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، زندگی اور موت کے فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

تعلیمی میدان میں جن مضامین کی عبارات اور نصوص کا یاد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس کے لیے یہی اسلوب زیادہ مناسب اور مفید ہے، جیسے آج بھی اسکولوں میں پہاڑے اور گنتی یاد کرائی جاتی ہے۔

ب۔ تعلیم بذریعہ سوال وجواب: تعلیم کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ استاذ ایک طالب علم کو سب طلباء کے سامنے کھڑا کرے اور اس سے سوال کرے اور وہ طالب علم سب طلباء کے سامنے اس کا جواب دے، یا استاذ دو طالب علموں کو کھڑا کرے جن میں سے ایک دوسرے سے سوال کرے اور دوسرا اسے جواب دے۔ اس اندازِ تعلیم میں طلباء کو تعلیم پر توجہ زیادہ رہتی ہے اور اس سے ان کے دلوں میں تعلیم کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں طلباء اپنی آنکھ، کان اور فکر کے ساتھ متکلم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوجاتے ہیں، جس سے وہ علمی مضمون دل میں اچھی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دین کے کسی اہم مسئلہ کی تعلیم کے وقت عموماً یہ انداز اختیار فرماتے تھے، جیسے عقائد اور مغیبات وغیرہ کی تعلیم کے وقت۔ جس کی مثال جبریل علیہ السلام کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں ایمان، اسلام، احسان اور علاماتِ قیامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک نوجوان ایک طالب علم کی صورت میں نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے، وہ نوجوان باادب حضور ﷺ کے متصل سامنے بیٹھ گیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے بارے میں چند سوالات کیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دیے، صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سارا منظر دیکھ اور سن رہے تھے اور اس سے مستفید ہو رہے تھے، اس کے سوالات یہ تھے:

سوال: آپ مجھے بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وَسلم اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، اگر تو وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے۔

سوال: آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور تم ایمان لاؤ اچھی اور بُری تقدیر پر۔

سوال: آپ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں کہ احسان کیا ہے؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح بجالاؤ کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے دیکھ نہیں سکتے تو یہ خیال کرلو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

سوال: قیامت کب آئے گی؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: جس سے تم پوچھ رہے ہو، وہ سائل سے زیادہ اس بارے میں نہیں جانتا۔

سوال: آپ مجھے قیامت کی علامات بتائیں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ باندی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو ننگے پاؤں، ننگے بدن، غریب اور بکریاں چرانے والے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگیں گے۔

یہ آنے والا طالب علم آپ سے سوال و جواب کے بعد مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جانتے ہو، یہ کون ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا: اللہ و رسولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل (علیہ السلام) ہیں، وہ اِس لیے آئے تھے؛ تاکہ تمھیں تمہارا دین سکھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں غور کریں:

اِنَّہٗ جِبرِیل اَتَاکُم یُعَلِّمُکُم دِینَکُم.

کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے صحابہ کو دین سکھانے کے لیے ''سوال وجواب'' کا انداز اختیار کیا! جس سے معلوم ہوا کہ سیکھنے سکھانے کا یہ اسلوب اور انداز بہت ہی قابلِ عمل اور مفید ہے۔

ج۔ تعلیم بذریعہ عمل: اسلام کی زیادہ تر تعلیمات عمل سے تعلق رکھتی ہیں؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تعلیمات کو عملاً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرماتے تھے اور صحابۂ کرامؓ آپ کو عمل کرتے ہوئے دیکھ کر آپ کی اتباع کرتے تھے؛ چناں چہ جب نماز فرض ہوئی اور اَقِیمُوا الصَّلاۃَ کا حکم نازل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً صحابہؓ کے سامنے نماز ادا کی اور فرمایا: صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِی اُصَلِّیْ۔ تم اِسی طرح نماز ادا کرو، جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی طرح جب حج کی فرضیت اس آیت مبارکہ:

”وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا.“ (آل عمران :۹۷)

کے ذریعہ نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر بیٹھ کر مناسک حج ادا کیے؛ تاکہ ہر شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ویسا ہی عمل کرے جیسے آپ عمل فرمارہے ہیں، اور آپ نے اعلان فرمایا: ”خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ.“ یعنی اپنی عبادت کے طریقے مجھ سے سیکھ لو۔ احادیث میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں اور عملی احکام کو سکھانے کے لیے یہی کامیاب طریقہ ہے اور جدید علمی اداروں میں عملی مضامین میں یہی اسلوب اِختیار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام اور علماء اُصول کے ہاں تواترِ عملی ایک اہم شرعی دلیل شمار کی جاتی ہے۔

د۔ تعلیم بواسطہ قول وعمل: اس کی صورت یہ ہے کہ متعلقہ مضمون کی عبارت اور نصوص کے معانی اور مطالب کو پہلے اس طرح بیان کردیا جائے کہ سب طلباء اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں، اگر اُس کا تعلق عمل سے بھی ہو تو پھر استاذ ان کے سامنے اسے عملاً پیش کرے۔ اس اندازِ تعلیم سے طلباء کے لیے علم اور عمل دونوں کا سیکھنا بہت ہی آسان ہوجاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”ہم جب نبی کریم ﷺ سے دس آیات سیکھ لیتے تو اس وقت تک بعد والی دس آیات نہ سیکھتے؛ جب تک ان دس آیات پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتے۔“ (المستدرك للحاكم: ۱/ ۵۵۷)

ر۔ تعلیم بذریعہ اقرار وارشاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی مسلمان کو کوئی کام کرتا دیکھتے اگر وہ صحیح ہوتا تو اسے برقرار رکھتے اور اگر صحیح نہ ہوتا تو صحیح بات کی طرف اس کی راہنمائی فرماتے جیسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سفر کی حالت میں سخت سردرات میں گرم پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل جنابت کے بجائے تیمّم کرلیا اور نماز پڑھی اور آپ نے ان کو اس پر برقرار رکھا۔

س۔ تعلیم بذریعہ مشورہ اور مناقشہ علمی: آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت اس

طرح بھی فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو کسی درپیش مسئلہ میں جس میں ابھی تک کوئی حکم بذریعہ وحی نازل نہ ہوتا صحابہؓ کے سامنے حل کے لیے پیش فرماتے، قرآنِ کریم نے بھی آپ کو اس کا حکم دیا تھا ’’آپ ان سے مشورہ کرتے رہیے۔‘‘ اس معاملہ میں صحابۂ کرامؓ اپنی اپنی رائے کا اظہار فرماتے اور آپ آخر میں جو صحیح رائے ہوتی اس کی تائید فرماتے یا صحیح رائے کی طرف راہنمائی فرماتے۔ اس طرح آپ نے صحابۂ کرامؓ کو عملی تربیت اس بات کی دے دی کہ آئندہ امت کو درپیش مسائل کا حل اس طرح نکالیں۔ اسی کو قرآنِ کریم نے ایک اصول اور قاعدہ کے طور پر یوں بیان فرمادیا ہے ’’اور ان کے معاملات آپس میں مشورے سے طے ہوتے ہیں‘‘۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کو ایک مسئلہ یہ درپیش ہوا کہ نماز کے وقت مسلمانوں کو مسجد میں کس طرح بلایا جائے، آپ نے صحابہؓ کی مجلس میں یہ معاملہ پیش فرمایا، غور وفکر شروع ہوا کسی نے گھنٹی بجانے کا مشورہ دیا، بعض نے ناقوس بجانے کا اور بعض نے آگ وغیرہ جلانے کا؛ لیکن آپ نے یہ کہہ کر ان آراء کو مسترد کردیا کہ یہ غیر مسلموں کے شعار ہیں، آخر میں جب حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور دوسرے صحابہؓ نے خواب میں موجودہ اذان سنی تو آپ نے اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور حق ہے۔

۴-تعلیم میں نقشہ اور تختۂ سیاہ کا اِستعمال:

بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں جن کو سمجھانے کے لیے تختۂ سیاہ اور نقشہ کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے ذریعہ بعض حقائق کا طلباء کو سکھانا آسان ہوجاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض معنوی حقائق کو سمجھانے کے لیے یہ انداز بھی اختیار فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے ایک مربع خط کھینچا۔ پھر اس مربع خط کے درمیان میں ایک خط کھینچا پھر اس درمیانے خط کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے خط کھینچے اور ایک خط مربع خط کے باہر کھینچا۔ پھر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درمیانہ خط انسان کی مثال ہے اور اس کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے خطوط وہ عوارض ہیں جو اُسے زندگی میں پیش آتے ہیں، اگر ایک سے چھوٹ گیا تو دوسرا پکڑ لیتا ہے اور جو مربع خط ہے یہ اس کی اجل ہے اور اس کے ساتھ جو خط باہر جارہا ہے، وہ اس کی اُمیدیں اور آرزوئیں ہیں۔ (مسند امام احمد: ۵/۲۳۷)

۵-تعلیم بذریعہ ضرب المثل:

کسی معنوی اور غیر محسوس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اُستاذ طلباء کے

سامنے اس کی ایک حسی مثال پیش کرے اور پھر اس معنوی حقیقت کو اس پر قیاس کر کے طلباء کے اذہان کے قریب کردے۔ کتب حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ یہاں اُن میں سے ایک مثال ذکر کی جاتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور بُرے ہم نشین اور ساتھی کے اثرات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اچھے ہم نشین اور بُرے ہم نشین کی مثال ایسی ہے، جیسے مُشک بیچنے والا اور بھٹیارہ۔ پس مشک بیچنے والا یا تو تمہیں مشک پیش کرے گا یا تم خود اس سے مُشک خریدلوگے، یا (کم ازکم) اس کے پاس سے خوش بو آتی رہے گی۔ اور بھٹیارہ یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا۔ یا (کم ازکم) اس سے بدبو تمہیں پہنچے گی۔'' (متفق علیہ)

۶-سوال کے ذریعہ اذہان کو مشغول کرنا:

تعلیم کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ استاذ پڑھاتے وقت طلباء کے سامنے ایک یا ایک سے زائد سوال پیش کر کے سب کے اذہان کو مشغول کردے؛ تاکہ وہ جواب سوچیں، پھر ان سے جواب سنے۔ اگر جواب صحیح ہے تو ان کی تصویب کرے۔ ورنہ صحیح جواب کی طرف ان کی راہنمائی کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم میں یہ اسلوب بھی اختیار فرماتے تھے، خصوصاً جب کسی کا امتحان لینا مقصود ہو۔ نیز اس انداز سے طلباء میں سوچنے اور حقائق میں غور وفکر کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا گورنر اور قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے اُن سے سوال کیا کہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیسے کروگے؟ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تفصیلی جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب سن کر ان کی تصویب فرمائی اور اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ تعلیم وتدریس کے ان اسالیب کے علاوہ اور بھی مختلف انداز ہیں جن کا تعلق تعلیم کے اَعلیٰ مراحل سے ہے؛ اس لیے اُن کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، لہٰذا عربی کے اساتذۂ کرام کو چاہیے کہ مذکورہ بالا اسالیب میں سے جو اسلوب بھی مناسب سمجھیں اسے موقع ومحل اور مخاطب کے اعتبار سے استعمال میں لائیں۔

۷-درس کی تیاری:

عربی پڑھانے والے اساتذۂ کرام اگر چاہتے ہیں کہ وہ کامیاب مدرس بنیں اور طلباء ان سے خوب فائدہ اٹھائیں، تو انھیں چاہیے کہ ہر سبق پڑھانے سے پہلے اسے خوب دیکھیں اور اچھی طرح اس کا مطالعہ کریں، اگر کسی عبارت یا لفظ میں طباعت کی غلطی دیکھیں تو اسے درست کردیں

اور پڑھاتے وقت طلباء سے بھی وہ غلطی درست کرالیں۔ نیز سبق پڑھانے سے پہلے سبق کا مکمل نقشہ ذہن میں بنالیں کہ آپ اسے کس طرح طلباء کو پڑھائیں گے۔

تنبیہ:

یاد رہے کہ کتابوں میں کبھی کاتب کی غلطی سے (جو عموماً غیر علماء ہوتے ہیں) یا حروف جوڑتے وقت یا ٹائپ کرتے وقت بعض آیاتِ کریمہ، اسی طرح احادیث شریفہ یا کسی عبارت میں طباعت کی غلطیاں رہ جاتی ہیں، لہٰذا ایسی اغلاط کو بجائے اس کے کہ مصنف کی طرف منسوب کرکے اسے تحریف کا مرتکب قرار دیا جائے، جو کہ ایک مؤمن کی دیانت کے خلاف ہے؛ بلکہ اُسے دُرست کرلینا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ وہ عالم ثقہ، بااعتماد اور اہلِ علم میں مسلمہ شخصیت بھی ہو۔

ترغیب:

طلباء کے دلوں میں ترغیب کے ذریعہ علم اور اُس مضمون کا شوق پیدا کرنا ایک کامیاب استاذ کی صفات میں سے ہے؛ تاکہ طلباء کے ذہنوں میں اس علم اور مضمون کی اہمیت پیدا ہو، اور وہ اس علم کو شوق و رغبت سے حاصل کریں۔ اس کے لیے استاذ کو کتبِ حدیث میں ”کتاب العلم“ کا مطالعہ کرکے اس میں سے چند مطلوبہ احادیث کا اِنتخاب کرنا چاہیے۔

طلباء کے ساتھ شفقت ورحمت:

ایک معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت مشفق اور ہمدرد ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، آپ معلم ہونے کے ساتھ ایک والد کی طرح مشفق اور مہربان بھی تھے، آپ کی زبان نہایت پاکیزہ تھی، آپ نے کبھی گالی گلوچ سے کام نہیں لیا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میں نے آپ سے بہتر نہ آپ سے پہلے کوئی معلم دیکھا نہ آپ کے بعد، خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا۔“

ایک کامیاب معلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت بلند اخلاق کا مالک ہو۔

نیز ایک معلم کا کمال یہ ہے تعلیم کے ساتھ شاگردوں کی صحیح تربیت بھی کرے اور خود اپنی ذات کو بطورِ عملی نمونہ پیش کرے، آپ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

”آپ ان کی تربیت اور تزکیہ فرماتے ہیں“۔

اور قرآن نے آپ کی زندگی کو پوری امت کے لیے بطورِ اُسوۂ حسنہ پیش کیا۔

لہٰذا اُستاذ کو طلباء پر نہایت شفیق اور ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کرنا چاہیے، اُستاذ طلباء

کو اپنی اولاد کی طرح عزیز سمجھے، ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔ ان کی تربیت، علم، اخلاق اور اَچھی عادات اپنانے میں ان پر اس طرح محنت کرے جس طرح اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

طلباء کی نگرانی:

اُستاذ کے فرائض منصبی میں یہ بھی داخل ہے کہ درس گاہ اور درس گاہ سے باہر حتی الامکان طلباء پر نگاہ رکھے اور دیکھے کہ وہ علم میں آگے بڑھ رہے ہیں یا نہیں؟ خصوصاً اس مضمون میں جس کو وہ استاذ انھیں پڑھا رہا ہے اور دیکھے کہ کیا وہ درس گاہ میں سبق کے دوران توجہ سے بیٹھتے ہیں؟ کیا وہ محنت کرتے ہیں؟ تکرار اور مطالعہ کرتے ہیں؟ اسباق میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں یا نہیں؟ وغیرہ نیز جہاں تک ممکن ہو ان کی اخلاقی حالت کا بھی خیال رکھے، وقتاً فوقتاً ان کے حالات معلوم کرتا رہے کہ وہ درس گاہ سے باہر کیسے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی خبر گیری فرماتے تھے، اگر کسی کو نہ دیکھ پاتے تو پوچھتے کہ فلاں کیوں نہیں آئے؟ اگر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں تو آپ ان کی بیمار پُرسی کے لیے تشریف لے جاتے۔

عربی زبان کی قدر و منزلت:

ایک طالب علم میں بنیادی طور پر علم کا شوق اور اس کے حصول کا جذبہ ہونا چاہیے؛ تاکہ وہ علم کو اپنا مقصد بنا کر اسے حاصل کرنے کے لیے پوری پوری محنت کرے۔ طالبِ علم میں علم کا شوق اور اس کی محبت کبھی فطری ہوتی ہے، افراد کے اعتبار سے اس میں قلت و کثرت کا اعتبار اگرچہ رہتا ہے اور بعض میں یہ شوق بہت ہی کم ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے پیدا کرنے اور اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں استاذ کے عمل اور کردار کو بڑا دخل ہے۔ ایک عقل مند اور تجربہ کار استاذ ہی طلباء میں یہ شوق و ذوق پیدا کر سکتا ہے اور اسے مزید آگے بڑھا سکتا ہے۔ اس کا اچھا اور آسان طریقہ یہ ہے کہ استاذ تعلیم شروع کرنے سے پہلے اور تعلیم کے دوران وقتاً فوقتاً طلباء کے سامنے علم اور علماء کے فضائل، ان کا مرتبہ و مقام، خصوصاً عربی زبان کی فضیلت اور اس کی اہمیت بیان کرتا رہے اور طلباء کو بتائے کہ عربی زبان کی قدر و منزلت دینی، اجتماعی اور سیاسی ہر اعتبار سے بہت اونچی ہے۔ عربی زبان قرآنِ کریم اور وحی کی زبان ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبان ہے جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور جَوَامِعُ الکَلِم کے حامل تھے، لہٰذا شرعی احکام کو اس کے صاف ستھرے مصادر سے براہِ راست حاصل کرنے اور اسلامی ثقافت کو اسلام کی علمی تُراث سے حاصل کرنے کے لیے عربی زبان پر دسترس ضروری ہے، خصوصاً اسلام کے دَور سے پہلے کی عربی زبان جس میں

یہ قرآن نازل ہوا، اس سے قرآن کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے؛ کیوں کہ یہی لوگ اس کے پہلے مخاطب تھے؛ اس لیے ایک مسلمان طالب علم کے سامنے عربی سیکھنے کا یہی اعلیٰ مقصد ہونا چاہیے۔ جہاں تک عربی زبان کی اجتماعی اور سیاسی اعتبار سے اہمیت ہے، تو یہ عرب، اِسلامی ممالک اور اُمت اِسلامیہ کے مختلف افراد کے درمیان ایمان کے بعد مضبوط ترین رابطہ ہے۔ چناں چہ جب عربی جاننے والے دو مسلمان ایک مشرق اور دوسرا مغرب کا رہنے والا باہم ملتے ہیں، تو ان کے لیے آپس میں افہام وتفہیم بہت آسان ہوجاتی ہے۔ ہرایک دوسرے کے سامنے اپنے دلی جذبات اور محبت کا اِظہار کرسکتا ہے، ایک دوسرے کے حالات اور مسائل سے براہِ راست مطلع ہوسکتا ہے؛ جب کہ بسااوقات عالمی اجنبی خبر رساں ایجنسیاں مسلمانوں کے حالات کو مسخ کرکے پیش کرتی ہیں جوان کے لیے مزید پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔ اگر عربی سیکھنے والوں میں ایسے طلبا بھی ہوں جو علم کے بجائے زبان کو بحیثیت زبان سیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو بھی شوق دلایا جائے کہ اگر وہ کسی عرب ملک میں ملازمت یا سیاحت کے لیے جائیں گے تو وہ عربی زبان جاننے کی بنا پر اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب رہیں گے۔ اب یہ ایک اچھے تجربہ کار استاذ کا کام ہے کہ عربی کی تعلیم کے دوران ایسے طلبا کی روحانی اورفکری تربیت کرے اوران کودین اوردینی اعمال کی طرف دعوت دے۔ اگر عربی کا استاذ کسی مسجد میں امام اور خطیب ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مقتدیوں کوعربی زبان سیکھنے کی ترغیب دے، ان کے لیے مسجد یا مسجد سے متصل کسی ہال میں ان کے پڑھانے کا انتظام کرے۔ روزانہ یا ہفتہ میں تین دن ان کو پڑھائے اوران کی ذہنی اوردینی تربیت کرے۔ اگر عربی کا استاذ کسی غیرمسلم ملک میں ہے اور وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اورعربی پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں تو اسے چاہیے کہ ان کے لیے بھی عربی پڑھانے کا انتظام کرے۔ اور دورانِ تعلیم ان کے سامنے نہایت حکمت کے ساتھ اسلام کے محاسن اوراس کی عمدہ اور آسان تعلیمات کا تذکرہ کرتا رہے، شاید یہی بات ان کے لیے ہدایت کا سبب بن جائے۔ نبی کریم ﷺ کا وہ فرمان پیشِ نظر رہے، جس میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب کردے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ نیز مقتدیوں کو عربی پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ عربی سیکھنے کے بعد جمعہ کا خطبہ اورنماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور مختلف اوراد کسی درجہ میں سمجھنے لگیں گے۔ اس طرح امام اورمقتدیوں میں بحیثیت استاذ و شاگرد مزید ایک قلبی اور روحانی تعلق بڑھ جائے گا اور ایسے مسائل بھی رونما نہیں ہوں گے جو عموماً

امام اور مقتدیوں کے درمیان بُعد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

آخری بات:

آخر میں اپنی ان معروضات کی روشنی میں اپنی تعلیمی برادری کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک معلم اور استاد کا اسلام میں کیا مقام ہے، معلّمین حضرات حقیقت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں: العلماء ورثة الانبیاء اور مرتبہ عظیم کے ساتھ عظیم تر ذمہ داریاں بھی انھیں پر عائد ہوتی ہیں۔

اس لیے ہم صدقِ دِل سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنے اندر وہ تمام صفات پیدا کریں گے جو ایک معلم کامل میں مطلوب ہیں اور اپنے سامنے ہمیشہ معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو بطورِ معیار کے رکھیں گے۔

ہم ان اوصاف کو اپناتے ہوئے اپنی علمی درس گاہوں کا معیار بلند کریں، ہمارے مدارس، ہمارے اسلامی اسکولز، ہماری اسلامی یونی ورسٹیاں، ہمارے علمی ادارے اپنے تعلیمی معیار میں تربیتی اعتبار سے، نظام کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے، وقار کے اعتبار سے، صفائی کے اعتبار سے، نظامت کے اعتبار سے اتنے بلند ہوں کہ طلباء ان کی طرف کھنچے ہوئے آئیں اور کسی دوسری طرف اپنا رُخ نہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وَسلم کی سیرت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب تم کوئی کام کرو تو اسے خوش اسلوبی سے کرو''۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہماری کوتاہوں سے ہمارے علمی اداروں کا معیارِ تعلیم پست ہوا اور ہمارے بچوں نے غیر مسلموں کے تعلیمی اداروں کا رخ کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ اپنے دین سے منحرف ہوئے اور اپنے قومی اور وطنی جذبہ سے محروم ہوئے تو اس کا وبال سب پر پڑے گا اور اس کا جواب ہمیں کل اللہ کے سامنے دینا ہوگا اور اس ذمہ داری کا احساس ہر فرد کو ہونا چاہیے خصوصاً تعلیمی اداروں کے ذمہ دار حضرات اور وزارتِ تعلیم کے سرکردہ افراد کو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خصوصاً تعلیمی میدان میں کام کرنے والوں اور اساتذہ و معلّمین کو معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ واللہ ولی التوفیق۔

❁ ❁ ❁